

ترقی کا کوئی ایک نسخہ نہیں ہے!

ہر انسان کا اپنا سچ ہوتا ہے۔ یہ سچ اسے ورثہ میں نہیں ملتا بلکہ ملنا بھی نہیں چاہیے۔ زندگی کے رموز پر غور و فکر سے اس کی پذیرائی ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی بھی شخص کا سچ دوسرے کے لئے بھی وہی معنی رکھتا ہو۔ بلکہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک انسان جو اپنے زاویہ سے حقیقت بیان کر رہا ہے۔ وہ دوسرے کے لئے زہر قاتل بن جائے۔ گزشتہ ساڑھے تین سو برس میں ایک جوہری تبدیلی آئی ہے۔ صنعتی انقلاب، سائنس کی ترقی، تحقیق کی جستجو نے ایک ایسے ضابطہ زندگی کو جنم دیا ہے جہاں ہر انسان ذاتی سچ کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے۔ اس کے خیالات کا مخالف انسان اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اصل انسانی ترقی اس نکتہ میں گم ہو چکی ہے کہ ہر مرد و عورت، اختلاف رکھنے کے باوجود امن سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ مگر مشکل ترین بات یہ بھی ہے کہ یہ فکری تبدیلی صرف مغرب کے چند ملکوں تک محدود ہو چکی ہے۔ شمالی امریکہ بھی اس میں شامل ہے اور یہ ملک موجودہ دنیا کو ہر طریقے سے کنٹرول کر رہے ہیں۔ دیگر ممالک ان کی مٹھی میں ہیں اور ان کے اثر کے سامنے مکمل طور پر بے توقیر ہیں۔ افریقی ممالک، لاطینی امریکہ، ایشیا کے چند بے حیثیت ممالک، اس بے توقیری کا اپنی کوتاہیوں کی بدولت ہر طور پر شکار ہیں۔ حیرت انگیز امر یہ بھی ہے کہ جس بھی ملک کے حکمرانوں کو موجودہ ترقی کا راز معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے علاقائی فہم کے سہارے اپنے زیر تسلط خطے کو بھرپور طریقے سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ یہ تبدیلی آج تک مثبت نتائج ہی لے کر آئی ہے۔ لہذا بڑے آرام سے کہا جاسکتا ہے۔ کہ انسانوں کا سچ اگر حکومت اور ریاست کے سچ کی طرح ہو جائے تو عام آدمی کی ترقی کو کوئی بھی امر روک نہیں سکتا۔ اسلامی دنیا کیونکہ سب سے زیادہ ذہنی مفلوج ہے، لہذا یہاں اس زاویہ سے بات کرنا حد درجہ ضروری ہے۔

دوبئی تیل پیدا کرنے والا ملک نہیں ہے۔ اسلام وہاں بھی اتنا ہی مضبوط ہے جہاں کسی اور خطے میں۔ مگر وہاں کے حکمران طبقے نے چالیس برس پہلے جان لیا کہ ملک کی ترقی بلکہ عوام کی خوشحالی اس وقت تک نہیں ہو سکتی، جب تک جدید ترین نظام کو اپنانا لیا جائے۔ انتہائی قلیل عرصے میں دوبئی، پوری دنیا کا تجارتی مرکز بن گیا۔ ہر قوم کے افراد وہاں رزق کی تلاش میں منتقل ہو گئے۔ تیل کی دولت بہت پیچھے رہ گئی۔ یہ جدید ترین معجزہ ہم سب کی آنکھوں کے سامنے برپا ہوا ہے۔ اس کی ایک بہت بڑی وجہ اور بھی ہے۔ حکومت کی بھرپور قوت، فیصلہ سازی کی حد درجہ مرکزیت اور بے جا تنقید کی عدم موجودگی اسم اعظم کا درجہ رکھتے ہیں۔ مذہبی منافرت، شدت پسندی، قتل و غارت، ریاست کی قوت کے سامنے سرنگوں ہیں۔ وہاں شراب خانہ بھی محفوظ ہے اور مساجد بھی۔ غیر ملکی سیاح بھی اپنے اپنے طریقوں سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ اور مکمل طور پر بنیاد پرست مذہبی لوگ بھی اپنے عقیدے کے مطابق سانس لے سکتے ہیں۔ حکومت کی حد درجہ طاقتور گرفت کسی کو چوں تک نہیں کرنے دیتی۔ یہ اس وقت اسلامی دنیا کا ایک بہتر ماڈل ہے۔ اب آپ کی توجہ تو نیسیا کی طرف لے کر جاتا ہوں۔ یہ بھرپور طریقے سے مسلمان ملک ہے۔ مگر وہاں کی شخصی حکومت کی کرپشن کی وجہ سے

تونسیا کے عام لوگوں پر ترقی اور جائز دولت کمانے کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ وہاں سماج کو مغربی طرز پر کھول تو دیا گیا۔ مگر مرکزی حکومت کے افراد ایک شاہی حصار میں بند ہو گئے۔ ملکی وسائل پر صرف اور صرف ایک خاندان کا قبضہ ہو گیا۔ زین العابدین کے خاندان کا ذکر کر رہا ہوں۔ صدر کی اہلیہ آئس کریم کھانے پیرس جایا کرتی تھیں۔ قیمتی ترین ملبوسات، ہیرے جوہرات، قیمتی ترین گاڑیاں، پر تعیش ہوائی جہاز اس خاندان کے اشارہ ابرو پر ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے تھے۔ یہ خاندان، عوامی غیظ و غضب کا شکار ہوا۔ زین العابدین اور اس کا خاندان ملک سے فرار ہو گیا۔ اور ملک آج تک زخم چاٹ رہا ہے۔ یہاں مغرب کی بھرپور نقالی کی گئی تھی۔ مگر شاہی خاندان نے اپنے آپ کو عوام سے متضاد رجحانات میں مقید کر لیا تھا۔ عوام بھی بد حال تھے۔ اور تھوڑے دن بعد شاہی خاندان بھی ذلیل و خوار تھا۔ یہ مسلمان ممالک میں گورنس کا دوسرا ماڈل ہے۔ یہاں ایک عرض کرتا چلوں۔ یو اے ای میں کرپشن حد درجہ زیادہ ہے۔ وہاں کے اماراتی مرد اور خواتین جو حد درجہ آسان ہیں۔ مگر حکومت نے اپنے عوام کو اتنی سہولتیں دے ڈالیں ہیں کہ انہیں اب کسی دیگر چیز میں قطعاً دلچسپی نہیں ہے۔

آپ کے سامنے دو مسلم ممالک کی صورت حال رکھنے کا مقصد صرف یہ باور کروانا ہے کہ ریاستوں کی ترقی کا کوئی ایک مخصوص فارمولا نہیں ہے۔ کوئی ایک کتاب نہیں ہے جس کا سبق پڑھ کر افراد اور ملک ترقی کر جائیں۔ ہر خطہ اپنے معروضی حالات کے مطابق آگے بڑھتا ہے یا ہماری طرح پاتال میں گر جاتا ہے۔ کسی بھی حکومت نے سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کے بعد اپنا ایک علیحدہ ماڈل تخلیق کرنا ہوتا ہے۔ جس میں اس کی مقامی روایات، عوامی فلاح اور بہبود کو ہر طریقے سے بڑھاوا دیا جاسکے۔ ذرا ٹھہریے۔ یہاں بنگلہ دیش کی مثال دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ہمیں سے آزاد ہو کر بنگلہ دیش آج ہر لحاظ سے موجود پاکستان سے بہتر ڈگر پر گامزن ہے۔ وہاں کی حکومت نے حد درجہ مشکل فیصلے کر ڈالے ہیں۔ جو ہم اپنے ملک میں سوچ تک نہیں سکتے۔ جیسے انہوں نے ملک کا آئین سیکولر طرز پر استوار کر ڈالا ہے۔ مذہب اور ریاست کے باہمی تعلق کو حد درجہ کمزور کر دیا ہے۔ مذہبی منافرت اور شدت پسندی کو آہنی ہاتھ سے کچلا ہے۔ ذہن میں یہ نکتہ بھی رہنا چاہیے کہ بنگلہ دیش ایک راسخ العقیدہ مسلمان ملک ہے۔ وہاں دین کی محبت ہر دل میں موجود ہے۔ مگر ریاست نے آئین کے مطابق دین اور شخصی حقوق کو الگ الگ کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ تمام علتیں ہونے کے باوجود کم از کم ہم سے زیادہ ترقی کر رہا ہے۔ بنگلہ دیش کا ماڈل ان کی حد تک کامیاب ہے۔ ان کے پاس کوئی جوہری طاقت نہیں مگر ان کی صنعتی طاقت کے سامنے پوری دنیا حیرت زدہ ہے۔

مرکزی نکتہ وضاحت سے عرض کرونگا، کہ کوئی بھی ملک، دوسرے کی ترقی کے ماڈل کو اپنا کر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ کوئی ایسا مجرد نسخہ ہے ہی نہیں جس کے ذریعے ہر ملک ایک جیسی ترقی کر سکے۔ مطلب یہ کہ ہر قوم کو اپنے معروضی حالات کے مطابق اپنی ترقی کا فارمولا خود بنانا پڑتا ہے۔ ویت نام کا ماڈل، بنگلہ دیش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کینیڈا کا طرز ترقی، امریکہ نہیں اپنا سکتا، ساؤتھ کوریا کا ماڈل، ہمارے ملک میں کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب کونسا راستہ منتخب کیا جائے۔ پاکستان کیسے ترقی کی راہ پر روانی

سے سفر کر سکتا ہے۔ کون سا ایسا نسخہ ہے جس سے ہماری عوام معاشی اور سماجی آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔ طالب علم کی نظر میں یہ حد درجہ سنجیدہ سوال ہے جس کا کوئی ایک درست جواب ممکن نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ ترقی کا ماڈل ترتیب نہیں دیا جاسکتا یا ہم آگے نہیں بڑھ سکتے۔ بالکل بھرپور ترقی کر سکتے ہیں۔ مگر موجودہ صورت حال کو بغیر کسی تعصب سے پرکھنا بہت ضروری ہے۔ اس وقت لسانی، مذہبی، سیاسی اور سماجی اختلافات کو ذاتیات کے تابع کر دیا گیا ہے۔ اگر آپ ایک سیاست دان کو پسند کرتے ہیں تو دوسرے سیاست دان کے لئے آپ کے دل میں تحقیر کا جذبہ ہونا جزوی طور پر لازم ہو چکا ہے۔ یعنی اب ہم تسلیم ہی نہیں کر سکتے کہ ہمارے کسی ایک سیاست دان کی کوئی ایک خوبی آپ کو پسند ہے۔ اور اس کے مقابل سیاست دان کی بھی کوئی ایک خوبی بہتر نظر آتی ہے۔ یعنی ہم نے بذات خود سیاسی اعتبار سے سماج میں دیواریں اور خندقیں چن دی ہیں۔ بالکل یہی حال دینی حلقوں میں ہے۔ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کو مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتا۔ جو لکھ رہا ہوں۔ اس کو ثابت کر سکتا ہوں۔ کئی مساجد کی پیشانی پر لکھا ہوتا ہے کہ یہاں دوسرے فرقے کے لوگ نماز نہیں پڑھ سکتے۔ مگر عجیب بات یہ بھی ہے کہ یہ تمام فرقے، مسجد نبوی اور حرم شریف میں ایک دوسرے کو مکمل طور پر برداشت کرتے ہیں۔ اور کسی کو دوسرے پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی ایک یہ بھی ہے کہ سعودی عرب میں ریاست پوری قوت کے ساتھ موجود ہے۔ کوئی اس کی ہیبت کے سامنے دم نہیں مار سکتا۔ پرسوال جوں کا توں ہے کہ پاکستان میں ترقی کس ماڈل کو اپنانے سے پنپ سکتی ہے۔ درحقیقت ہمارے ادارے مکمل طور پر بد حال ہیں۔ پورے نظام میں حکومتی طاقت ضعف میں نظر آتی ہے حالیہ دنوں میں عدل کے ادارے بھی زمین بوس قرار پاتے ہیں۔ ریاستی اداروں پر بھی انگلیاں اٹھ رہی ہیں۔ اب ان حالات میں کیا منصوبہ بندی کی جائے۔ ایک فریق کی بہترین بات دوسرے کے لئے مذاق اور ٹٹھا ہے۔ قرآن یہ کہ جب تک ہم اپنے نظام کو انسانی خون کا خراج پیش نہیں کریں گے، اس وقت تک ہم عمل کی طاقت سے محروم رہیں گے۔ مگر پھر سوچتا ہوں کہ اگر خون بھی بریکار اور ضائع ہو گیا، پھر کیا ہوگا؟